حکمت مودودیؒ

مختارِ کُل انتظامیہ

دنیا میں ہر نظام حکومت کے تین بنیادی شعبے ہوا کرتے ہیں۔ ایک' انتظامیہ جس کے ہاتھ میں ملک کا نظم و نسق چلانے کی طاقت ہوتی ہے۔ دوسرا' قانون ساز ادارہ جس کا کام ملک کے لیے قانون بنانا ہوتا ہے۔ تیسرا' شعبہ وہ ہوتا ہے جس کا کام ہر ایک کو قانون کی خلاف ورزی سے روکنا ہوتا ہے' یعنی عدلیہ۔ کوئی نظام حکومت اس وقت تک صحیح طریقے سے نہیں چل سکتا جب تک یہ تینوں اپنے اپنے حصے کا کام بے لاگ طریقے سے انجام دینے کے لیے آزاد نہ ہوں اور ہر ایک دوسرے کے دباؤ سے محفوظ نہ ہو۔ مگر یہاں انتظامیہ کو اتنا طاقتور اور ہمہ گیر اختیارات کا مالک بنا دیا گیا ہے کہ قانون ساز ادارہ اور عدلیہ' دونوں شعبے اس کے آگے بے بس اور مفلوج ہو کر رہ گئے ہیں--- اسمبلیوں سے ہر وہ قانون پاس ہو کر رہے گا جو انتظامیہ چاہے' اور کوئی ایسا قانون پاس نہ ہو سکے گا جو انتظامیہ نہ چاہے۔ اس طرح قانون بنانے کے اصل اختیارات اسی ادارے کے ہاتھ میں آگئے ہیں جس کے ہاتھ میں ڈنڈا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس طریقے سے کبھی منصفانہ قوانین نہیں بن سکتے' اور جب قانون سازی انصاف پر مبنی نہ ہو تو عدالتیں انصاف کیسے کر سکتی ہیں۔ عدالتیں خود تو قانون نہیں بناتیں۔ ان کو تو جو قانون مجلس قانون ساز بنا کر دیتی ہے اسی کے مطابق وہ فیصلے کرنے پر مجبور ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جس ملک میں انصاف ہی نہ رہے' وہ کتنی دیر تک بخیریت چل سکتا ہے؟ دنیا بھر میں جہاں بھی آمریت قائم ہوتی ہے' اس کی اولیں کوشش یہ ہوتی ہے کہ قانون ساز ادارے اور عدلیہ کو مفلوج کر دے' کیونکہ اس کے بغیر انتظامیہ مختار کل نہیں ہو سکتی۔ اور یہی وہ چیز ہے جس نے آخر کار ہر اس ملک کو تباہ کیا ہے جہاں آمریت قائم ہوئی ہے۔ خدا نے زمین و آسمان کو عدل پر قائم کیا ہے۔ کوئی ایسا نظام یہاں جڑ نہیں پکڑ سکتا جو عدل سے خالی ہو۔

انتظامیہ کے اس طرح مختار کل بن جانے کے تباہ کن نتائج تو بے شمار ہیں' مگر میں چند نمایاں نتائج آپ کو گنا کر بتاتا ہوں' تاکہ آپ اندازہ کریں کہ یہ نظام قائم کر کے اس ملک کے ساتھ کیا خیر خواہی کی گئی ہے۔

اس قسم کی حکومت چونکہ عوام کے اعتماد' ان کے تعاون' اور ان کی رضامندی سے بے نیاز ہوتی ہے' اس لیے اسے اپنے آپ کو قائم اور باقی رکھنے کے لیے کچھ دوسرے سہارے پیدا کرنے ہوتے ہیں' اور یہ سہارے تین ہی ہو سکتے ہیں۔ ایک' سرکاری افسر' دوسرے' ملک کے بڑے بڑے سرمایہ دار' تجار' کارخانہ دار' زمیندار وغیرہ' تیسرے' ملک کے باشندوں میں سے کوئی ایسا گروہ جس کا مفاد حکومت سے اس طرح وابستہ کر دیا جائے کہ وہ عوام کے مقابلے میں ہر وقت اپنی اغراض کے لیے حکومت کی حمایت کرے' مثلاً

انگریزی دور کے نمبردار اور سفید پوش اور خطاب یافتہ لوگ ----- اور ٹھیکے اور انعامات اور مربعے اور روٹ پرمٹ اور لائسنس پانے والے خوش نصیب حضرات۔ یہ سب لوگ چونکہ حکومت کے ستون ہوتے ہیں جن کے سہارے وہ کھڑی ہوتی ہے، اس لیے وہ ہر طرح کے ظلم، رشوت، خیانت، بے غل و غش، منافع خوری، بلیک مارکیٹنگ، اسمگلنگ، لوٹ کھسوٹ اور قسم قسم کی زیادتیاں کرنے کے لیے آزاد ہوتے ہیں۔ حکومت کے لیے ان کا محاسبہ کرنا اور ان کا ہاتھ پکڑنا ممکن نہیں ہوتا، بلکہ وہ انھیں یہ سب کچھ کرنے کی کھلی چھوٹ دینے پر مجبور ہوتی ہے، کیونکہ وہی تو اس کے سہارے ہیں، اور وہ حکمرانوں کے کوئی رشتے دار نہیں ہیں کہ اپنا کوئی مفاد حاصل کیے بغیر ان کے خیمہ بردار بنے رہیں۔

اس قسم کی حکومت اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے مجبور ہوتی ہے کہ پریس پر پابندیاں لگائے، جلسوں اور جلوسوں اور مظاہروں کو روکے، خبر رسانی کے ذرائع پر کنٹرول کرے، ملک کے اصل حالات لوگوں کے سامنے بے کم و کاست نہ آنے دے، یکطرفہ پروپیگنڈے سے لوگوں کو یقین دلائے کہ ملک میں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے اور بڑی ترقیات ہو رہی ہیں، اور کسی قسم کے آزادانہ بحث مباحثے کی گنجائش باقی نہ رہنے دے جس سے لوگ ہر نقطہ نظر اور معاملات کے ہر پہلو سے واقف ہو کر رائے قائم کرنے کے قابل ہو سکتے ہوں۔ یہ ساری چیزیں اس کے وجود کے لیے ضروری ہوتی ہیں، مگر قوم کے لیے مہلک ہوتی ہیں۔ اس سے ایک بے خبر، بے زبان، بے عقل و ہوش اور فریب خوردہ قوم تیار ہوتی ہے، جو ہمیشہ نابالغ ہی بنی رہتی ہے، کبھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لائق نہیں ہو سکتی۔

اس قسم کی حکومت اپنی قوم کو خود بزدل، ڈرپوک اور دبو بناتی ہے اور اسے یہ تربیت دیتی ہے کہ ہر ظالم کا ظلم سہے اور اف نہ کرے۔ ایسی قوم صرف اپنے گھر ہی کے جباروں کے لیے نرم چارہ نہیں ہوتی، بیرونی حملہ آوروں کے لیے بھی نرم چارہ ہی ثابت ہوتی ہے۔

اس قسم کی حکومت ملک کے اخلاق کا دیوالہ نکال دیتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ منڈی میں وہی مال آیا کرتا ہے جس کی مانگ ہو، اور جس مال کی مانگ نہ ہو اس کی پیداوار ہی بند ہو جاتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب ریاست کی منڈی میں مانگ ہو، خوشامدیوں کی، ضمیر فروشوں کی، اغراض کے بندوں کی، اور قیمت اسی مال کی اٹھتی ہو تو پھر یہی مال زیادہ سے زیادہ پیدا ہوتا چلا جائے گا۔ حق پرست، حق گو اور باضمیر انسان کیسے پیدا ہوں گے جبکہ ان سے زیادہ نامرغوب اور غیر مطلوب انسان یہاں اور کوئی نہ ہوں۔

اس قسم کی حکومت یہ کوشش بھی کرتی ہے کہ ملک میں کوئی متبادل قیادت باقی نہ چھوڑے۔ جن لوگوں اور جماعتوں کی طرف بھی ملک کے عوام اس امید کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ موجودہ حکمرانوں کی جگہ لے سکتے ہیں، ان کو یا تو ختم کیا جائے یا گوشہ گمنامی میں پھینکا جائے، یا ان کو بدنام کرنے کے لیے ان کے خلاف یکطرفہ پروپیگنڈا کیا جائے، تاکہ عوام بالآخر یہ یقین کر لیں کہ موجودہ حکمران بھلا کریں یا برا، بہرحال ملک کے نظام کو چلانے والا ان کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ (سکھر میں جلسہ عام سے خطاب، ۲۰ مارچ ۱۹۶۸ء)